رسائل و مسائل :

کیا اسلامی نظام کا قیام فرض نہیں ؟

سوال :-

موجودہ تحریک جو جماعت اسلامی نے شروع کر رکھی ہے مجھے اس کے متعلق چند شبہات ہیں، جن کا ازالہ کرانا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن میں کئی ایک مقامات پر دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کبھی یہ کہا گیا کہ ہم نے ابراہیم، موسےٰ اور دوسرے انبیا علیہم السلام کو دین کے قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔ (وصّیٰ بہ ابراھیم و موسیٰ ...... ان اقیموا الدین) کبھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ اس دین کو تمام باطل ادیان پر غالب کر دیں (لیظھرہ علی الدین کلہ) اس کے علاوہ عام مسلمان جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ تم میں ایک فریق ایسا ہونا چاہیئے جو نیکی کی ہدایت اور بدی سے منع کرنے کے کام میں لگا رہے۔ چنانچہ مولانا مودودی "حقیقت اسلام" کے خطبے میں دین کی تشریح کرتے ہوئے خدا وند کریم ہی کو اللہ سمجھنے اور اس کے علاوہ کسی کو حاکم، مالک اور صاحبِ اقتدار تسلیم نہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور یہ حق ہے۔

لیکن موجودہ دور میں جماعت اسلامی اس چیز کی کوشش کر رہی ہے کہ ایک خاص زمین میں اسلامی نظام رائج ہو۔ مطلب یہ کہ وہ براہ راست (ستعدرلر) اسلامی اسٹیٹ کے حصول کے لئے کوشاں ہے اور اسی کو وہ دین سمجھے ہوئے ہے۔ یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہم کو نہیں ملتی۔ انہوں نے کبھی اس قسم کی کوشش نہ فرمائی تھی۔ ان کی دعوت صرف اتنی ہی تھی کہ لوگو! یہ جو تم نے خدا کو چھوڑ کر

دوسرے موجودات کو الٰہ، یعنی حاکم اعلیٰ، قانون ساز، رازق، مالک اور آقا سمجھ رکھا ہے یہ ایک باطل مسلک ہے۔ تمام بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے ہو کے رہو! اس دعوت کے ماننے والے ترقی کرتے گئے اور آخرکار خدا تعالیٰ نے اپنے انعام کے طور پر وہ خطۂ زمین جس میں اسلامی نظام قائم ہوا انہیں بخش دیا۔ اس کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین نیز وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منکم لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ میرے اس طرز استدلال سے آپ کو کیا اختلاف ہے؟

علاوہ بریں اچھا ہو کہ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام میں "دین" اور "اسلام" کے الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور دونوں میں فرق کیا ہے۔

جواب:-

آپ کے پہلے سوال کے جواب میں حسب ذیل امور پیش کئے جاتے ہیں:-

(۱) اسلامی حکومت و سلطنت کا ایک قابلِ جدوجہد مقصود ہونا اور اس کا انعام الٰہی کی حیثیت رکھنا، یہ دونوں باتیں باہم نقیض نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر انعام اس قابل ہے کہ اس کو مقصود بنا کر اس کے لئے جدوجہد کی جائے۔ ایک صالح عقیدہ پر انسان کا کاربند ہونا، معصیت سے نجات پانا، دین حق پر مستقیم ہونا، صدیق و شہید اور صالح ہونا یہ سبھی کچھ اللہ کی عطا و بخشش اور اس کی عنایاتِ خاص ہی پر منحصر ہے لیکن ان میں سے ہر نعمت ایک خاص طرح کی جدوجہد کی شرائط پوری کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے، بغیر جدوجہد اور بغیر شرائط ادا کئے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے انعامات کی منڈی میں روک کسی کے لئے بھی نہیں، لیکن کسی نااہل کو بھس کا ایک تنکا بھی یہاں جدوجہد کی قیمت ادا کئے بغیر نہیں ملتا، کجا کہ استخلاف فی الارض کا مقام اعلیٰ اور نظام اسلامی جیسی نعمت عظمیٰ بلا طلب ہاتھ لگ جائے:

تختِ جسم و کسرے سرا ہے زر فروشند

(۲) "دین کو قائم کرو" کا جو مطالبہ انبیاء سے اور ان کی معرفت پیروانِ انبیاء سے کیا گیا ہے، اس کے معنی و

مفہوم یہ کچھ تو غور آپ کرتے! کیا "دین کو قائم کرو" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ پورے کا پورا دین (یکون الدین کلہ للّٰہ) قائم کرو، نہ کہ آدھا، تہائی اور چوتھائی؟ اگر پورے دین کی اقامت کا مطالبہ ہے تو پھر صرف اللہ کے حاکم، مالک، خالق اور قانون ساز ہونے کا اقرار کر دینے اور اعلان کر دینے پر یہ معاملہ ختم کیسے ہو گیا؟ دین کی اقامت صرف شخصی زندگی ہی میں مطلوب نہیں ہے، بلکہ ایک شخص جتنے اجتماعی معاملات و ادارات سے وابستہ ہوتا ہے، ان سب میں اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا اس کا فرض ہے۔ دین کے بعض مطالبات فرد سے ہیں، بعض جماعت سے، بعض حکومت اور اسٹیٹ سے اور جب تک یہ سارے مطالبات پورے نہ ہونے لگیں، پورا دین قائم کب ہوا۔

(۳) لیظہرہٗ علی الدین کلہ میں اگر دین کو ہر دوسرے دین اور ہر دوسرے نظام اور ادارے پر غالب کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے تو اس کے معنی بھی اپنی جگہ صاف ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ایک مسلمان جو اس حکم کا مخاطب ہے، اس کا فرض اتنا ہی تو نہیں ہے کہ اس کی ذات پر دین کے چند احکام جاری ہونے لگیں، بلکہ اس کے فرائض ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ دین کے اوامر و نواہی کو منڈیوں میں، کارخانوں میں، عدالتوں میں، دفتروں میں، اسمبلیوں میں، تھانوں میں، چھاؤنیوں میں ہر جگہ غالب کرنے کی جدوجہد کرے۔ ورنہ دین کے غالب ہونے کا مفہوم اس صورت میں باقی رہ کہاں جاتا ہے کہ افراد خدا کا حاکم ہونا مانتے رہیں لیکن اسمبلی میں اس کے احکام کو کوئی پوچھنے والا تک نہ ہو، عدالت میں اس کے قانون پر توجہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے، چھاؤنیوں میں اس کے مطالبات کا پاس نہ کیا جائے، تھانوں میں اس کے دین کے تقاضوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا جائے، کھیتوں، کارخانوں اور منڈیوں میں خدا کی ہدایت کی پیروی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو ــــ بلکہ سارے عملی شعبہ ہائے حیات میں اسلام کے مقابل کے باطل ادیان اور باطل ضابطوں پر سارے کاروبار چلتے رہیں۔ اگر کسی فرد کا ان سے کلیتہً بے تعلق رہنا ممکن ہوتا تب تو انفرادی طور پر اقامتِ دین کے کچھ معنی ہو سکتے تھے، لیکن جب حکومت اور سوسائٹی کے نظام میں ہر فرد حصہ دار ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کے ہر صواب و ناصواب میں بھی شریک و سہیم ہوتا ہے تو اپنی جگہ سوچئے کہ وہ خود اپنی ذات پر بھی دین کو غالب کب

کر سکا!

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تو خود یہ بتاتی ہے کہ غیر اسلامی نظام اور ماحول کے اندر دین کے تقاضوں کو پورا کرنا غیر ممکن ہے اور ایک مسلم کو یا تو ماحول سے لڑنا پڑتا ہے یا اس سے علیحدہ ہونا پڑتا ہے۔ دونوں کے درمیان صلح و سازگاری کی کوئی راہ نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے بہت قبل یہ محسوس کر لیا تھا کہ مکہ میں تحریک پنپ نہ سکے گی، چنانچہ آپ نے مکہ میں آنے والے مسافروں اور بالخصوص حاجیوں سے مل مل کر ان کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، یہاں تک کہ مدینے کے انصار نے تعاون کی حامی بھری اور آپ نے ان کے وفود سے کامل نباہ کا عہد لیا اور انہیں نباہ کا یقین دلایا، پھر آپ مدینہ پہنچے، پھر وہاں جاتے ہی قوت کو سمیٹنا شروع کر دیا، پھر مدینہ میں اقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں لی، پھر گرد و پیش کے قبائل سے معاہدے کئے، پھر قریش کی قوت سے ٹکر لینے کی تیاریاں کیں، یہاں تک کہ اسلامی اسٹیٹ قائم (ESTABLISH) ہو گیا اور اس تدریجی کوشش کی ساری کڑیاں وحی الٰہی کے امر و نہی کے سانچے میں ڈھلی تھیں۔ ان واقعات کو ہم ایک اسکیم (PLAN) کے تحت یکے بعد دیگرے نمودار ہوتا ہوا پاتے ہیں، اس وجہ سے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے سامنے ایک صالح ریاست، صالح نظام، صالح معاشرے اور صالح قیادت کو مدینہ سے آغاز کر کے ساری دنیا میں پھیلا دینے کا باقاعدہ پروگرام تھا، اور اس پروگرام کے لئے جو جدوجہد ضروری تھی، وہ سر انجام دی گئی!

وہاں اس کام کے لئے وطن کی آسائشیں، جان و مال کی قربانیاں، دوستیوں اور رشتہ داریوں سے قطع تعلق کی بے پناہ قربانیاں صرف کر دی گئیں اور آپ فرماتے ہیں کہ جدوجہد نہیں کی گئی بلکہ آرام سے بیٹھ کر انعام الٰہی کا انتظار کیا گیا۔

(۴) انتم الاعلون ان کنتم مومنین میں جو جوڑ بیان کی گئی ہے وہ تو مسلمانوں کو بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے لیکن آج ان کو معنی اگر سمجھ میں نہیں آتے تو "ان کنتم مومنین"

کے نہیں آنے یہی حال وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت الخ کے مفہوم کو سمجھنے کا ہے۔ یہاں بھی استخلاف فی الارض کا مطلب معلوم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن "الذین آمنو وعملوا الصلحٰت منکم" کے الفاظ ہی ادق ہو کے رہ گئے ہیں جن کے معنی کسی تفسیر اور کسی لغت سے حل نہیں ہورہے۔ جیسے بنی اسرائیل "ان البقر تشابہ علینا" کی حالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ایمان لانے کے معنی کسی عقیدے کو صرف زبان سے بیان کر دینے تک محدود نہیں ہیں، بلکہ کسی اصول اور عقیدے کی حقانیت پر یقین کرتے ہوئے عملی زندگی کے لئے اپنانے کا نام ایمان ہے۔ اور عمل صالح خیال آرائیوں کا نام نہیں، بلکہ دماغ، ہاتھ پاؤں اور دوسری قوتوں سے اللہ کی طاعت میں کام کرنے کا نام ہے۔ اسی عمل صالح میں ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ شامل ہے، اسی میں واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً شامل ہے، اسی میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر شامل ہے، اسی میں ان احکم بما انزل اللہ شامل ہے اور اسی میں وعلیکم بالجماعۃ شامل ہے اور دوسرے بے شمار مطالبات ہیں۔ انہی سارے مطالبات کو پورا کرنے سے عمل صالح کی شرط پوری ہوتی ہے اور پھر وہ جزا ملتی ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے:۔

(۵) قرآن میں یہی حکم مثبت نہیں آیا کہ اللہ کی اطاعت کرو، بلکہ یہ نہی بھی آئی ہے کہ اجتنبوا الطاغوت اور پھر یہ کہ لا تطیعوا امر المسرفین، پھر یہ کہ لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً۔

سوال یہ ہے کہ اگر کوئی نظام حکومت طاغوت کی حیثیت اختیار کر جائے، کوئی عدالت اور اسمبلی "مسرف" ہو اور کوئی قیادت و وزارت ذکر الٰہی سے غافل اور خواہشات نفس کی پیرو اور افراط و تفریط کی حالت میں مبتلا ہو تو کیا اسکی اطاعت کرنے کی حالت پر قانع رہنا درست ہوگا اور اس حالت میں ایمان و عمل صالح کی شرط پوری ہو سکیگی؟

ظاہر ہے کہ جو اسٹیٹ، جو معاشرہ اور جو قانونی نظام خدا کی حدود سے آزاد ہو اسکو ان حدود کا پابند بنائے بغیر ایک مسلمان کی زندگی گذارنا محالات میں سے ہے۔ اس وجہ سے اسٹیٹ اور معاشرے کو اسلامی اسٹیٹ اور اسلامی معاشرے میں بدلنے کی جدوجہد کرنا خود اپنے مسلمان ہونے کے لئے بھی ضروری ہے۔

(۶) دنیا میں اور بھی نظام ہائے زندگی ہیں اور ان کے علمبردار کام کرتے ہیں لیکن اور کسی کے سامنے یہ سوال کبھی نہیں آتا کہ ہمیں صرف عقیدہ کافی ہے اور نظام زندگی کو اپنے اصول پر ڈھالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے سپاہی بھی اور کمیونزم کے سپاہی بھی جانوں کی بازیاں لگا لگا کر اپنے اصول کی بنیادوں پر جا بجا اپنے پسندیدہ نظاموں کے قیام کی جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں، لیکن نہ معلوم ایک مسلمان ہی اس سوچ میں کیوں پڑا ہوا ہے کہ اس کے لئے خدا کا قانون عملاً جاری کرنے کی جدوجہد ضروری بھی ہے یا نہیں اور کیا صرف اس پر عقیدہ رکھنا کافی ہے یا نہیں؟

رہا آپ کا دوسرا سوال، سو اس آیت میں جو بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے منظور شدہ (SANCTIONED) دین (ضابطہ حیات یا نظام زندگی) صرف اسلام ہی ہے، اور کوئی نہیں۔ یعنی وہ طریقہ حیات جس پر انسان کو زندگی گذارنا چاہیئے اور جس پر چلنے کی جزا اور جس سے انحراف کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملے گی وہ صرف اسلام کا طریقہ حیات ہے۔ کسی اور دین پر چلنے کی ہدایت یا منظوری اللہ نے نہیں دی، بلکہ لوگوں نے دوسرے مختلف طریقے خود گھڑ لیئے ہیں۔ اسکی توضیح اس کلمہ سے ہوتی ہے کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ، یعنی جس کسی نے الاسلام کے سوا اپنے لئے کوئی اور ضابطہ حیات یا نظام زندگی اختیار کیا تو اللہ کے ہاں غیر اسلام پر چلنا اسکی طرف سے قبول نہ کیا جائیگا، بلکہ اسکی سرگرمیوں کو اس کے منہ پر دے مارا جائیگا کہ ان کی ضرورت نہ تھی۔ تم نے اطاعت و تسلیم کی نہیں، بغاوت و سرکشی کی زندگی گذاری ہے۔

غالباً ان الفاظ سے آیت کا منشا آپ کے سامنے آسکیگا۔

تفصیل کے لئے جماعت کے بنیادی لٹریچر میں سے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" "اسلام کا نظریۂ سیاسی"، "رسالہ تجدید و احیائے دین" "تفہیم القرآن" کے فٹ نوٹس "رسالہ جہاد فی سبیل اللہ" اور "الجہاد فی الاسلام" میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بحث کو ملاحظہ فرما لیجیئے!